© rasailojaraid.com

ایرانی انقلاب: ثقافت، عورت اور مغرب

انٹرویو: ناتھن گارڈیلز*

ترجمہ: سلیم منصور خالد

معصومہ ابتکار، ایرانی حکومت میں ایک بلند مرتبہ اور بارسوخ خاتون ہیں۔ ایک طویل عرصے سے وہ ایرانی عورتوں کے حقوق کے لیے فعال کردار ادا کر رہی ہیں۔ پیشہ طب میں ایمیونالوجسٹ ہیں۔ جب ایرانی انقلابی رضاکاروں نے [نومبر ۱۹۷۹ء- جنوری ۱۹۸۱ء] ۴۴۴ روز تک کے لیے تہران میں امریکی سفارت کاروں کو یرغمال بنائے رکھا تو معصومہ ان کی مرکزی ترجمان ہوا کرتی تھیں۔ اس وقت نائب صدر برائے ماحولیات کے منصب پر فائز ہیں۔ صدر خاتمی کی دعوت برائے ''ثقافتی مکالمہ'' کے حوالے سے ''نیشنل پرسپیکٹو کوارٹرلی'' کے مدیر کارڈیلز نے سوئزرلینڈ میں یہ انٹرویو ریکارڈ کیا۔ مدیر

• سوال: جب ایرانی صدر محمد خاتمی نے یہ کہا تھا کہ ''ہم مغرب سے مکالمہ کرنا چاہتے ہیں'' تب یہی سمجھا گیا تھا کہ ایرانی دانش ور، پروفیسر سموئیل ہنٹنگٹن سے مباحثہ کریں گے۔ لیکن امر واقعہ ہے کہ یہ مکالمہ ہارورڈ یونیورسٹی کے ایوان دانش میں نہیں، بلکہ یہ مکالمہ اسلامی اقدار اور آج کی چلبلی لڑکیوں کے درمیان برپا ہو گا۔ کیا ایران اس کے لیے تیار ہے؟ اور بتائیے اس ذیل میں اسلام، مغرب کو کیا رعایتیں دے سکتا ہے؟

---

* "Nathan Gardels, "The Islamic Revoulution: From the Shah to the Spice Girls," *New Perspectives Quarterly,* Vol. 15, Iss. 2, Spring 1998. pp. 36-39

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

• معصومہ ابتکار: ہم چاہیں یا نہ چاہیں، درحقیقت آج جدید ذرائع ابلاغ نے دنیا بھر کے دروازوں کو توڑ ڈالا ہے۔ دوسرے معاشروں کی طرح ہماری نئی نسل بھی مغربی ثقافت کی چکا چوند سے لطف اندوز ہونے کے جذبات رکھتی ہے۔ وہ ہم سے سوال کرتے ہیں ''کیا اسلامی معاشرے میں تفریح اور میلے ٹھیلے کی کوئی گنجائش نہیں ہے؟ اور کیا اسلام ایسا مذہب ہے جو زندگی کا لطف اٹھانے پر پابندیاں ہی لگاتا ہے؟'' --- ایسی آوازیں سننا بلکہ لطف اور تفریح کا متبادل ماڈل پیش کرنا اسلامی انقلاب کے داعیوں کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے۔ وگرنہ اس وقت دنیا عام طور پر ''ہالی ووڈ کلچر'' کی طرف لپکی چلی جارہی ہے۔

> 'صارف ذہنیت' اور استعمال کر کے پھینک دینے کا کلچر ہی اس جدید دور میں مغرب کا ورثہ اور ایک تلخ تحفہ ہے۔ اس کلچر کی بلندی فکر یہ ہے کہ: زندگی کا لطف اٹھاؤ اور اپنی زندگی کو اس فکر میں ہلکان نہ کرو کہ معاشرے اور دنیا کے مستقبل پر اس کے کیا اثرات پڑیں گے۔

ثقافتی بعد بذات خود ایک بڑا سلگتا ہوا مسئلہ ہے۔ کیا ہمیں ''ہالی ووڈ کلچر'' ہی کی اطاعت وفرماں برداری کرنا چاہیے، کہ جسے انسانی زندگی کی شریفانہ قدروں سے کوئی علاقہ نہیں؟ مگر اصرار یہی ہے کہ ''ہاں، یہی کلچر انسانی زندگی سے مطابقت رکھتا ہے''۔ خاص طور پر عورت سے ہمدردی کے نام پر بُنا ہوا لفظی تصویر کشی کا نقاب اٹھایئے، اور پھر بتایئے کہ انسانی وقار کا آپ کی نظر میں کیا مقام ہے؟ --- وہاں عورت، جی ہاں عورت، خوب صورت لفظوں کے پیرہن میں لپٹی، مگر حقیقت میں محض ایک جنسی کھلونا ہے؟ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ آپ کے ہاں حوا کی بیٹی کا مقام زندگی کے چند لمحوں کا لطف حاصل کرنے والی شے سے زیادہ نہیں ہے؟ اس کے علاوہ تو وہ بے چاری ایک بے معنی اور بے جواز ہستی ہے۔

میں سمجھتی ہوں کہ صارف (consumer) ذہنیت اور استعمال کر کے پھینک دینے کا کلچر ہی اس جدید دور میں مغرب کا ورثہ اور ایک تلخ تحفہ ہے۔ اس کلچر کی بلندی فکر یہ ہے کہ: زندگی کا لطف اٹھاؤ اور اپنی زندگی کو اس فکر میں ہلکان نہ کرو کہ معاشرے اور دنیا کے مستقبل پر اس کے کیا اثرات پڑیں گے --- یہ دراصل زندگی اور شرف انسانیت سے دائمی فرار کا راستہ ہے، جس پر فخر کیا جارہا ہے۔ اس راستے پر چلنے کا لازمی نتیجہ غیر ذمہ دارانہ زندگی کا چلن ہے۔ بیسویں صدی کا یہ وہ عظیم ترین المیہ ہے، جو ہالی ووڈ نے عصر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاضر کے انسانوں پر تھوپ دیا ہے۔ اسی المیے نے سب سے پہلے حضرت انسان سے روحانی زندگی کی جہتوں کو چھین لیا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس طرز زندگی نے انسان کو محسوس کرایا ہے کہ اسے اپنی زندگی پر کوئی اختیار ہی نہیں۔ تیسرا سبق یہ دیا ہے کہ اگر وہ ان مسلط کردہ سانچوں کے مطابق اپنے آپ کو نہیں ڈھالتا، تو پھر جان لے کہ اس کی زندگی لذت و راحت کے تصور سے نا آشنا ہی رہے گی۔

اس طرز حیات کا لابدی مظہر جن عفونتوں کی صورت میں طلوع ہوا، وہ یہ ہیں: تشدد و دہشت گردی، نشہ آور اشیاء کی لامتناہی مانگ، ماحولیاتی بربادی اور بدترین قسم کا جنسی استحصال، بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے جنسی غلامی اور اس گھناؤنی تجارت کے لیے ایشیا کو نشانہ بنانے کا عمل۔ جہاں تک تعلق ہے موسیقی کا، تو اس بارے میں جان لیجیے کہ یہ دوسری تہذیبوں کو آوارگی اور اوباشی کے غار میں دھکیلنے کی دستک ہے۔ کیا اس بات میں کسی شک کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ اس موسیقی سے ہالی ووڈ نے روپیہ پیسہ کمانے سے زیادہ، دوسری تہذیبوں کو تباہ کرنے کا ایک بڑا ہدف حاصل کیا ہے؟ کیا مغرب کے اس طرز زندگی نے، نئی نسل میں کسی اعلیٰ اخلاقی قدر کو حرز جاں بنانے کا کوئی خواب دیا ہے؟ کیا اس نے انھیں انسانی توقیر اور انسانی تشخص کا درس دیا ہے؟ کیا اس نے نئی نسل کی روحوں کو قدرتِ حق کے آگے سپاس گزاری اور دوسرے انسانوں کے دلوں کو دکھ درد کے لیے نرم کیا ہے؟ --- محض چند لمحوں کی لطف اندوزی کے بعد جب جذبات کا خمار اترتا ہے تو وہ اپنے پیچھے بہت بڑا خلا چھوڑ جاتا ہے، کیا اسی چیز کو تہذیب آفریں سمجھا اور سمجھایا جا رہا ہے؟

- تو بتائیے پھر آپ کے پاس کوئی متبادل راستہ ہے؟

- جی ہاں، متبادل ہے روحانی ترفع۔ یہ روحانی رفعت آپ کی داخلی دنیا کا بامعنی رشتہ، خارج میں بسنے والی حیات و کائنات سے جوڑتی ہے۔ یہ متبادل راستہ آپ کو محض اپنی ذات کی تسکین کے محدود دائرے سے نکالتا ہے، اور خالق کائنات کی مخلوق سے منسوب اور مربوط کرتا ہے۔ دینی اقدار آپ کو محض اپنے لیے نہیں، بلکہ تمام انسانیت کے لیے جینا سکھاتی ہیں۔ ایک بھٹکا ہوا انسان بے پناہ دولت، بہت سی تفریحات اور نت نئے تجربات آزما کر بھی سکون کو پانے میں ناکام رہتا ہے، جیسے کوئی پیاسا سراب کو دیکھ کر بے مراد ہی رہتا ہے، مگر پانی نصیب نہیں ہوتا۔ جب کہ روحانی سکون اسے بامراد بناتا ہے۔ روحانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لذت میں گہرائی بھی ہے اور ایک نہ ختم ہونے والی وسعت بھی۔ میں سمجھتی ہوں کہ نئی نسل جس امن و آشتی کے لیے بے قرار و درماندہ ہے، وہ گنج ہائے گراں مایہ اسے یہ جدید تاجرانہ اور ساہوکارانہ تصورِ حیات نہیں دے سکتا۔ مجھے ٹیلی ویژن کا ایک مشہور پروگرام "سکسٹی منٹس" (ساٹھ منٹ) یاد آ رہا ہے، جس میں سن بلوغت میں قدم رکھنے والے لڑکوں کا انٹرویو پیش کیا جا رہا تھا۔ اس مکالمے کا موضوع تھا "آپ نشہ آور اشیاء کیوں استعمال کرتے ہیں؟"۔ ایک نوخیز لڑکے نے بے ساختہ جواب دیا: "میں اپنی زندگی میں چند لمحوں کا سکون پانے کے لیے نشہ آور چیزیں استعمال کرتا ہوں، اور جب میں وہ ممنوعہ چیزیں استعمال کر لیتا ہوں، تو مجھے چند ساعتوں کا سکون مل جاتا ہے، اور بس"۔

میرے خیال میں لطف حاصل کرنے کے لیے کئی ایسے اسالیب موجود ہیں، کہ جن میں انسانی وقار کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچتی، مثال کے طور پر مختلف کھیل ہیں۔ امام خمینی مرحوم سے ایسے موضوعات پر بھی بات ہوا کرتی تھی، جس میں ایک موضوع کلاسیکی موسیقی تھا۔ جب کہ میں پہلے عرض کر چکی ہوں کہ لطف کی تلاش میں جب سے انسان نے پستیوں میں گرنا شروع کیا ہے تو اب اس کا شاخسانہ جنسی تجارت اور جنسی بے راہ روی کی صورت میں سامنے آ رہا ہے۔ ذرا سوچیں، آپ کہاں اور کس جگہ پر جا کر کوئی حدِ فاصل قائم کریں گے؟

● آپ دیکھ رہی ہیں کہ ہارورڈ یونیورسٹی کے دانش ور پروفیسر سیموئیل ہنٹنگٹن نے جس "تہذیبی تصادم" کی بات کی تھی، وہ تو عالم اسلام اور عیسائی اہل مغرب کے درمیان برپا ہوتا دکھائی نہیں دے رہا۔ ہاں، البتہ یہ صف بندی ضرور سامنے آ چکی ہے کہ ایک جانب اسلامی اقدار، پوپ پال دوم کی اقدار اور آرتھوڈوکس سولزے نتسن ہیں، تو دوسری جانب ان کے مد مقابل مائیکل جیکسن اور میڈونا کی سی ثقافتی یلغار ہے؟

● جی ہاں، ہم سمجھتے ہیں کہ درحقیقت تمام مقدس مذاہب کا بنیادی سرچشمہ ایک ہے۔ اس لیے ایک دن آئے گا، جب یہ تمام آپس میں مدغم ہو جائیں گے، اور یک جہانی مذہب [مراد، اسلام ہے] میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈھل جائیں گے، جو انسانیت کو مسائل سے چھٹکارا دلائے گا۔

اکیسویں صدی کے انسان کو ذات اور فطرت کے حوالے سے دو بڑے بنیادی چیلنج درپیش ہیں۔ فرد نے اپنی ذات کو گویا دھوکا دینے کی قسم کھا رکھی ہے۔ اس لیے وہ لطف اندوزی اور شہوت پرستی کے راستے پر بے لگام دوڑا چلا جا رہا ہے، جس کا منطقی نتیجہ اخلاقی دیوالیہ پن ہے۔ اس کے برعکس فطرت کو دھوکا دینا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ دیکھ لیجیے! فطرت ہم کو سزا دے رہی ہے۔ اگرچہ اس کے کئی ایک مظہر ہیں، لیکن بات سمجھنے کے لیے صرف ماحولیات کے خلاف اپنے کردہ جرائم اور فطرت کا جواب ہی نگاہ میں رکھ لیجیے۔

> کیا اس بات میں شک کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ اس موسیقی سے ہالی ووڈ نے روپیہ پیسہ کمانے سے زیادہ، دوسری تہذیبوں کو تباہ کرنے کا ایک بڑا ہدف حاصل کیا ہے؟

اس پس منظر میں، میں زور دے کر کہہ رہی ہوں کہ آئندہ صدی میں انسان، سائنس و ٹیکنالوجی اور معاشی ہماہمی کے مقابلے میں اخلاقی اور روحانی قدروں کو فوقیت دینے پر مجبور ہی نہیں ہوگا، بلکہ اس مقصد کے لیے وہ رضا کارانہ طور پر خود آگے بڑھ کر اس گم شدہ دولت کو حاصل کرنے کی کوشش بھی کرے گا۔ میرا ایمان ہے کہ اس مہیب ماحول میں اسلام ہی وہ دین ہے جو انسانی دل و دماغ کو سکون، روح کو تقویت اور پیکر خاکی کو توازن کی دولت سے مالا مال کر سکتا ہے۔ روحانیت اور مادیت کا یہ متناسب بندھن ہی دنیا و آخرت میں کامیابی کا زینہ ہے--- بہت سے لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ ''جب خرید و فروخت کے اس ظالم اور صارف کلچر سے جی بھر جائے گا، تو پھر انسان کیا کرے گا؟''

- اچھا، اب ہم ذرا دوسرے حوالے سے بات کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ایران اب جمہوری رویوں کو پہلے کی نسبت زیادہ اہمیت دے رہا ہے۔ کیا اس چیز کا امکان موجود ہے کہ ایک روز مذہب اور ریاست کے درمیان آپ کے ہاں قائم شدہ رشتہ ٹوٹ جائے گا؟
- مسلمان اہل دانش کی عظیم اکثریت کا خیال ہے کہ اسلام کی فطرت میں سیاسیات و اجتماعیات موجود ہیں [مستشرقین اس چیز کا ترجمہ کرتے ہیں ''اسلام ایک سیاسی مذہب ہے'']، اسی لیے اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاسیات سے اسلام کا رشتہ کاٹ دیں تو پھر دین کے بہت سے تقاضے ادھورے اور تشنہ رہ جاتے ہیں۔

ایرانی جمہوریت اور عوام اسلام کے اسی جامع تصور پر یقین رکھتے ہیں اور اسی پر عامل ہیں۔

ایران میں اسلام قوت کے بل پر نافذ نہیں کیا گیا، بلکہ اسے لوگوں نے اپنے لیے خود چنا ہے۔ ابھی چند ماہ پہلے، انتخابات میں ایران کے اہل رائے دہندگان میں سے نوے فی صد لوگوں نے اپنی رائے استعمال کی ہے۔ ایرانی عوام کا یہ عمل صرف امریکہ ہی کے لیے نہیں، بلکہ خود عرب دنیا کے لیے بھی لمحہ فکریہ ہے۔ جمہوریت کے علم بردار امریکہ کے جمہوریت پسندوں کا تو یہ حال ہے کہ ان میں بہ مشکل تمام ۴۵ فی صد لوگ اپنے ووٹ کا استعمال کرتے ہیں۔

• ایران میں آپ کا وجود عورتوں کے حقوق کی علامت ہے۔ صدر محمد خاتمی نے آپ کو بھلا کیوں کابینہ میں شمولیت کی دعوت دی۔ آپ یہ بھی بتائیں کہ آج صدر خاتمی کے ایران میں فیمی نزم (feminism - حقوق نسواں) کا کیا مطلب ہے؟

• ہم ''فیمی نزم'' کی اصطلاح استعمال نہیں کرتے، کیوں کہ اس اصطلاح میں عورتوں کی بہبود سے زیادہ مغرب کا مخصوص جنسی تفاوت و تصادم کا تصور پوشیدہ ہے۔ ہاں، البتہ اگر آپ لفظوں کو ان کے صحیح تناظر میں رکھ کر سوال کریں تو ہم پورے یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ایران میں عورتوں کے حقوق، ان کی بہبود اور ترقی کے لیے بڑی مثبت پیش رفت ہوئی ہے۔

انقلاب کے ابتدائی دنوں ہی سے، امام خمینی مرحوم نے زور دے کر بار بار ہدایت کی تھی کہ عورتوں کی بہبود کے لیے برابری کی سطح پر انتظامات کیے جائیں اور ملک کے اجتماعی و سیاسی نظام میں ان کی آواز پر سنجیدگی سے کان دھرا جائے۔ اس پیغام کی اہمیت کو مغرب بھی نہ سمجھ سکا، جبکہ خود ایران میں کئی مذہبی لیڈروں نے تو امام خمینی مرحوم کے اس پیغام کی مخالفت کی تھی۔ مگر انہوں نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ سیاسی و اجتماعی میدان میں عورتوں کے کردار کی راہ میں اسلام کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتا۔ اس لیے امام نے پالیسی بنانے اور غور و فکر کرنے والے اداروں میں عورتوں کی نمائندگی کو بڑھایا۔ جب قدامت پسندوں، عالموں اور غیر مذہبی مگر روایت پسند لوگوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ ''یونیورسٹی میں زیر تعلیم طلبہ و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طالبات کے کمرۂ تعلیم میں، ہر دو اصناف کے درمیان دیوار سی کھڑی کر دی جائے''، تو مجھے یاد ہے اس پر امام خمینی مرحوم نے حکم دیا تھا کہ ''ایسی دیواریں گرا دی جائیں۔ اس بات کا کیا جواز ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے نہیں پڑھ سکتے''۔ عورتوں کے حوالے سے یہ اقدام گہرے اور دور رس اثرات کا حامل ثابت ہوا۔ یہ دیواریں کیا گریں، کہ ایرانی سماج میں خصوصاً اعلیٰ پیشہ وارانہ تعلیم و ترقی میں عورتوں نے آگے بڑھ کر بڑا اہم کردار ادا کیا، اور اس میدان میں کام کے لیے اپنی اہلیت ثابت کی۔

● اگر واقعی ایرانی عورت کو اتنی آزادی اور برابری نصیب ہے، تو پھر اسے آپ نے گھر کی چار دیواری سے باہر اتنا لپیٹ لپاٹ کر کیوں رکھا ہوا ہے؟

● یہ مردوں کی طرف سے مسلط کردہ کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ قرآن عظیم نے ہدایت کی ہے کہ شریفانہ اور باوقار لباس ہی عورت کے لیے نفع بخش ہے۔ اسلام مرد اور عورت کے باہمی تعلقات کار کے حوالے سے جو جامع ضابطہ حیات دیتا ہے، یہ لباس اس کا ایک اہم سنگ میل ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ معاشرے میں ایک جنس دوسری جنس کا استحصال نہ کرے، بلکہ مرد اور عورت دونوں برابری کی سطح پر ایک دوسرے کا احترام کریں۔ ہم امریکہ اور واشنگٹن کے بارے میں پڑھتے ہیں کہ کام پر جانے والی خواتین کو ڈرایا اور دھمکایا جاتا ہے، ہم ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ ایسی کوئی بیماری ہمارے معاشرے میں جڑ پکڑے۔ اسی خطرے سے بچنے کے لیے ہم اپنے معاشرے میں تعمیری اقدامات کر رہے ہیں۔ ہر چند کہ ہمیں یہ دعویٰ نہیں ہے کہ اس میں ہمیں مکمل کامیابی حاصل ہوگئی ہے، تاہم ہماری کوششوں کی سمت یہی ہے۔ معاشرے اور کارگاہ میں ٹھیراؤ اور سکون پیدا کرنے، اور صنفین میں احترام و مساوات کا درس دینے میں یہ معقول اور شریفانہ لباس ایک بڑا معاون ذریعہ ہے۔

> آئندہ صدی میں انسان، سائنس و ٹیکنالوجی اور معاشی ہماہمی کے مقابلے میں اخلاقی اور روحانی قدروں کو فوقیت دینے پر مجبور ہی نہیں ہوگا، بلکہ اس مقصد کے لیے وہ رضاکارانہ طور پر خود آگے بڑھ کر اس گم شدہ دولت کو حاصل کرنے کی کوشش بھی کرے گا۔

ایرانی عورتیں دانش ور، فن کار اور کارکن ہیں، ان کی نگاہ جنس مخالف پر نہیں اٹکتی، بلکہ ان کی نظریں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مستقبل کے امکانات پر ہوتی ہیں۔ اس لیے ہمیں لباس کی اس وضع قطع پر بحث میں الجھنے سے زیادہ تعلق اس چیز سے ہے کہ ہم عورتوں کے ساتھ کس احترام سے معاملہ کیا جاتا ہے۔ ہمارے یہی جذبات مغربی خواتین تک پہنچنے چاہئیں۔ مجھے یقین ہے کہ دنیا بھر کی خواتین یہ بات سمجھ سکتی ہیں کہ ایک شریفانہ لباس اور مردوں سے برابری دونوں ساتھ چلتے ہیں۔

• گویا کہ آپ کے خیال میں ایرانی عورت، مغربی عورت کی نسبت زیادہ باوقار زندگی بسر کر رہی ہے؟

• یقیناً، ایرانی معاشرے میں عورت کے لیے ایک باوقار زندگی بسر کرنے کے کہیں زیادہ امکانات موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ایرانی ذرائع ابلاغ، عورت کو اشیاء کی تشہیری مہم کے لیے بطور آلہ استعمال نہیں کر سکتے۔ اہلِ مغرب [کے مرد] اس بات پسند نہیں کرتے کہ ایشیا میں وہ جس جنسی تجارت سے وابستہ ہیں، اس کا کوئی تذکرہ بھی کیا جائے، لیکن اپنی صنعت وتجارت کے لیے ذرائع ابلاغ پر عورت کی بے حرمتی کا چلن دیکھ کر ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

عورت اور معاشرت کے معاملات دیکھنے کے مسئلے پر ہمارے نقطہ ہائے نظر میں شاید فرق ہے۔ ایران میں انقلاب کے بعد اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر ایک باوقار زندگی بسر کرنے کے لیے قدم بڑھائیں۔

• کیا آج کے ایران میں مرد اور عورت دونوں مل کر اکٹھے عبادت کر سکتے ہیں؟ مثال کے طور پر ترکی میں کوئی مسلمان عورت جنازے میں ساتھ نہیں جا سکتی؟

• جی ہاں، زندگی کے ہر میدان میں مرد اور عورت اکٹھے عبادت میں شریک ہو سکتے ہیں۔ جب کابینہ کا اجلاس ہو رہا ہوتا ہے تو میں مردوں ہی کے کمرے میں نماز ادا کر لیتی ہوں۔ ایک عام مسلمان عورت کے لیے الجھاؤ یا مخمصہ دراصل یہ ہے کہ ہم اسلامی عقیدے کی روح اور منشا کو سمجھنے کے بجائے اپنے علاقائی رسم و رواج کو اہمیت دیتے ہوئے اسی کو اسلام سمجھ بیٹھتے ہیں۔ افغانستان کے طالبان کے ساتھ بھی اصل میں یہی مسئلہ ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرد اور عورت، تذکیر و تانیث کے فطری فرق سے اوپر، انسانیت کے رشتے میں واحد وجود اور ایک دوسرے کی مددگار ہستیاں ہیں۔ قدرتِ حق نے انہیں مختلف حقوق اور ذمہ داریاں سونپی ہیں، جن سے انکار ممکن نہیں، مگر وہ عبادت میں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ ہیں۔ دین اسلام نے انہیں عبادت، نماز اور دعا کے لیے الگ خانوں میں تقسیم نہیں کیا۔

• کیا ایسی بات تو نہیں ہے کہ ایرانی صدر خاتمی، مغرب سے تہذیبی مکالمے کے نعرے کو ایک نفسیاتی حربے کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں؟

• آج کے عہد میں بامعنی مکالمہ کوئی خوف زدہ ہونے کی چیز نہیں ہے، بلکہ یہ انسانیت کی ضرورت ہے۔ آج کرۂ ارضی پر دن اور رات کی حدود کا خاتمہ یا فاصلوں اور سرحدوں کی قربتیں، اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ تنگ دلی یا دوری اور تعصب کے برعکس آگے بڑھ کر دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھا اور اسے اپنا موقف سمجھایا جائے۔ اسی لیے صدر محمد خاتمی نے سب سے پہلے ایرانی معاشرے میں کھلے مکالمے کی حوصلہ افزائی کی ہے، اور ساتھ ہی بیرونی دنیا سے مکالمے کی بھی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ صدر خاتمی نے ووٹوں کی اکثریت حاصل کر کے یہ راستہ اختیار نہیں کیا، بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ انسانی ذہن کا فطری ارتقاء اس چیز کا مطالبہ کرتا ہے کہ مسائل و معاملات کو سلجھانے کے لیے گفتگو کا دروازہ کھلا رہنا چاہیے۔ ویسے بھی آج انقلاب اپنے اداروں کی شکل میں ایک پختہ کار سیاسی و سماجی نظام کی شکل میں ڈھل چکا ہے۔

> آج کا مغرب اپنی فوجوں کو نہ دوسرے ملکوں کی سرحدوں پر لگاتا ہے اور نہ بحری بیڑوں کی گشت کراتا ہے بلکہ اس نے اپنی یلغار کے لیے سیٹلائٹس اور ٹیلی ویژن کا سہارا لیا ہے۔ اس حوالے سے اسلامی اقدار کو ایک نہایت گہرے اور گھمبیر چیلنج کا سامنا ہے۔

• غالباً آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ ایران کا اسلامی انقلاب اپنے دفاعی دور سے گزرنے کے بعد اب ثقافتی تعمیر و ترقی کے عہد میں داخل ہو چکا ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

● آپ نے بجا کہا، لیکن ہم ابھی تک اقتصادی پابندیوں کا شکار ہیں، تاہم ثقافتی لحاظ سے ہم بالغ نظری سے اپنے تشخص کو مستحکم کر رہے ہیں۔ یہ پہلو نئی نسل کے لیے اور بھی زیادہ ضروری ہے، کیونکہ انہوں نے انقلاب کے ارتقائی مرحلے نہیں دیکھے ہیں، اور نہ وہ انقلاب کے تجربے سے گزرے ہیں۔ میری اور ان کی نسل کے درمیان جو تجرباتی اور مشاہداتی خلیج حائل ہے اسے پاٹنا اشد ضروری ہے۔ تہذیبی مکالمے کے باب میں یہ پہلو ہماری پہلی ترجیح ہے۔ یہی ثقافتی تعمیر و تشکیل ہمارے پیش نظر ہے، غالبًا اسی کی جانب آپ نے اشارہ کیا ہے۔

میری نسل نے مغرب کی سیاسی بالادستی اور فوجی جبر کا صرف مشاہدہ ہی نہیں کیا بلکہ سامنا بھی کیا ہے۔ ہمیں یہاں کے استبدادی بادشاہ [رضا شاہ] سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ جیسا کہ آپ نے استعاراتی اسلوب میں ''سپائس گرلز'' [چلبلی لڑکیاں] کہا ہے، ان سب کو اس ماضی کا ادراک کرنا چاہیے، جس میں انقلاب کی کونپل پھوٹی۔ آج کا مغرب اپنی فوجوں کو نہ دوسرے ملکوں کی سرحدوں پر لگاتا ہے اور نہ بحری بیڑوں کی گشت کراتا ہے بلکہ اس نے اپنی یلغار کے لیے سیٹلائٹس اور ٹیلی ویژن کا سہارا لیا ہے۔ اس حوالے سے اسلامی اقدار کو ایک نہایت گہرے اور گھمبیر چیلنج کا سامنا ہے۔ مابعد جدید عہد کے اس منظر نامے میں ہم اپنی نسل کو درس دے رہے ہیں کہ اس چیلنج کا مقابلہ اسلامی روحانی قدروں کے بل بوتے پر ممکن ہے، مزید یہ کہ ہمیں اپنی خواہشات کی نمو اور تکمیل کے لیے اعتدال اور میانہ روی کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

● یہ ۱۹۷۹ء کی بات ہے، جب ایران کے انقلابی رضا کاروں نے تہران میں امریکی سفارت خانے پر حملہ کر کے اس کے عملے کو یرغمال بنا لیا تھا۔ تب انقلابیوں کی مرکزی ترجمان آپ ہوا کرتیں تھیں، کیا آج آپ کو اپنے اس کردار پر کوئی افسوس نہیں ہوتا؟

● نہیں، بالکل نہیں۔ یہ تو انقلاب کا ایک حصہ تھا، اسے آپ انفرادی فعل کے حوالے سے نہ دیکھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ اقدام امریکیوں کی تذلیل کے لیے نہیں کیا گیا تھا۔ انقلاب اپنے قدم جما رہا تھا اور اسے گرانے اور ختم کرنے کا ردِعمل بھی برابر جاری تھا۔ اب وقت تبدیل ہو چکا ہے اور انقلابی اقدار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے جڑ پکڑ لی ہے۔ مغرب، ہمارے انقلاب کو محض ایک وقتی ابال سمجھتا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ بیس سال کے عرصے میں یہ انقلاب مستحکم ہوا ہے۔ اب اس میں برداشت کا مادہ اور جمہوری کلچر زیادہ فراوانی سے موجزن ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جب دنیا پھر مذہبی اقدار کی طرف رجوع کرنے کے لیے پلٹ رہی ہے۔ صدر محمد خاتمی کے بقول ''ہم امریکہ تک کے ساتھ بقائے باہمی اور تعاون کے لیے تیار ہیں۔ لیکن مستقبل کی تعمیر کے لیے ہم اپنے اصولوں اور اقدار کو بنیاد بنائیں گے''۔

[ناتھن گارڈیلز، سوئزرلینڈ کے ایک معروف دانش ور اور صحافی ہیں۔ مدیر]

© rasailojaraid.com